ذمہ دار ہے اور جواب دہ۔

انسان کی معاشرہ میں کوئی نہ کوئی حیثیت ضرور ہوتی ہے کبھی وہ حاکم ہے اور کبھی محکوم۔ کبھی وہ خاوند ہے اور کبھی بیوی، کبھی وہ بچہ ہے اور کبھی باپ کبھی غلام ہے اور کبھی آقا۔ شریعت نے ہر حال میں اس پر کچھ حقوق اور ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔ جن میں سے بعض اس کو دوسروں کے لیے پوری کرنی ہیں اور بعض کا وہ دوسروں سے حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔

ایک حدیث میں یہ مضمون بھی بیان ہوا ہے کہ حاکم کے احکام کی اطاعت نہ کرنا گویا قبل از اسلام (جاہلیت) کی زندگی گزارنا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

عن ابی هريرة قال قال	ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا
رسول الله صلى الله عليه وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اطاعت سے
من خرج عن الطاعة وفارق	نکل گیا اور جماعتِ مسلمین سے علیحدگی اختیار
الجماعة فمات ميتةً جاهليةً	کر لی وہ زمانہ جاہلیت کی سی موت مرا۔

ایک دوسری حدیث میں بھی وہی مفہوم ادا کیا گیا ہے جو سابقہ دو احادیث کا ہے۔

عن ابی هريرة قال سمعت	ابو ہریرہؓ کہتے ہیں میں نے رسولِ خدا
رسول الله صلى الله عليه وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو
يقول من خلع يدا من طاعة	اطاعت امام سے دستکش ہوا قیامت کے
لقى الله يوم القيامة لا حجة	دن کسی دلیلِ فلاح کے بغیر خدا کے سامنے
له ومن مات وليس فى عنقه	پیش ہوگا اور جو شخص ایسی حالت میں مرا کہ
بيعة مات ميتةً جاهليةً	کسی امام مسلم کی بیعت کا قلادہ اس کی گردن
	میں نہ تھا وہ گویا جاہلیت کی موت مرا۔

کتبِ حدیث کے تتبع اور ان میں جستجو سے ایسے فرامین نبوی کا کافی ذخیرہ ہمیں دستیاب ہو جاتا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی روایات رہبانیت کے وجود کا قلع قمع کرتی ہیں لیکن ہم نے خوفِ طوالت کے پیش نظر ان کا احاطہ کرنے سے احتراز کیا ہے۔ صرف ایک حدیث کا ذکر ہم ضروری خیال کرتے ہیں جس سے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طرزِ عمل پر روشنی پڑتی ہے۔ اس سے اس بات

کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیرتِ نبوی سے ہمیں رہبانیت کی تعلیم ملتی ہے یا اجتماعیت اور معاشرہ پسندی کی۔

حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں:

عن انس قال جاء ثلثة رهط الی ازواج النبی صلی الله علیه وسلم یسألون عن عبادة النبی صلی الله علیه وسلم فلما اخبروا بها کانهم تقالوها فقالوا این نحن من النبی صلی الله علیه وسلم وقد غفر الله له ما تقدم من ذنبه وما تاخر فقال احدهم اما انا فاصلی اللیل ابدا وقال الآخر انا اصوم النهار ابدا ولا افطر وقال الآخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا فجاء النبی صلی الله علیه وسلم الیهم فقال انتم الذین قلتم کذا وکذا اما والله انی لاخشاکم لله واتقاکم له لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی	حضرت انس سے روایت ہے کہ تین افراد پر مشتمل ایک وفد حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی روزمرہ عبادت کے بارے میں پوچھنے لگا جب انھیں آپ کا معمول بتایا گیا تو انھوں نے اسے قلیل سمجھا اور یہ کہا کہ ہم کہاں اور حضور علیہ السلام کہاں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی سب لغزشیں معاف فرما دی ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا میں تو ساری رات نفل ہی پڑھتا رہوں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ کے لیے روزہ دار رہوں گا تیسرے نے کہا میں عورتوں سے مکمل علیحدگی اختیار کروں گا اور کسی عورت سے شادی نہ کروں گا۔ اتنے میں رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا تم نے یہ یہ باتیں کہی ہیں۔ خدا کی قسم! میں تم میں سب زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے زیادہ تقویٰ رکھنے والا ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ رات کو تہجد بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں
(مشکوٰة باب الاعتصام بالکتاب والسنة ص ۲۷)	

اور میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں جس
نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے
نہیں ہے۔

اس حدیث سے صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ خشیتہ خداوندی اور تقوٰے کا صحیح معیار کون سا عمل ہے اور حضور کے اس فرمان سے ان لوگوں کے قول کی صاف طور پر تردید ہو جاتی ہے جو انقطاعِ تعلقات اور ریاضات و مجاہداتِ شاقہ کو حصولِ تقوٰے کا ذریعہ اور تزکیہ نفس کا وسیلہ گردانتے ہیں۔

ترکِ دنیا

آخر میں اس شبہہ کا ازالہ لازمی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تصوف میں جس زہد اور ترکِ دنیا کی تعلیم دی گئی ہے وہ رہبانیت سے قطعاً مختلف ہے۔ زہد اور ترکِ دنیا سے مقصود قربِ خداوندی حاصل کرنے کے لیے یکسوئی حاصل کرنا ہے لیکن بایں طور کہ ظاہر با خلق اور باطن بہ حق شاغل رہو۔ جیسا کہ ایک صوفی شاعر نے کہا ہے ؎

نمی گویم کہ از عالم جدا باش   ہر جائیکہ باشی باخدا باش

یہی وہ نسبتِ انقطاع ہے جسے قرآن مجید نے وتبتل الیہ تبتیلا سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس تبتل و انقطاع کے حصول سے آدمی معاشرہ سے کٹ نہیں جاتا بلکہ معاشرہ اور سوسائٹی کے لیے سراپا رحمت و شفقت ثابت ہوتا ہے چونکہ ہر وقت اُسے قلبی طور پر معیت و قربِ خداوندی کا تصور رہتا ہے اس لیے وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے الگ تھلگ ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے:

رجال لا تلھیھم تجارۃ   اللہ کے مردوں کو تجارت اور خرید و
ولا بیع عن ذکر اللہ   فروخت خدا کی یاد سے غافل نہیں کر سکتی۔

البتہ یہ صحیح ہے کہ اس نسبتِ کاملہ کے حصول کے لیے بعض مشائخ کرام خلوتِ چند روزہ کی تلقین کرتے ہیں تاکہ یکسوئی نصیب ہو۔ اس مشق کے بعد پھر خلوت و جلوت کا سلسلہ چل نکلتا ہے۔ لیکن یہ خلوتِ چند روزہ اس خلوت سے بالکل جداگانہ چیز ہے جس میں مکمل طور پر ترکِ

دنیا کر کے پوری زندگی کے لیے انسانی معاشرہ کے حقوق سے پہلوتہی کی جاتی ہے۔ یہ چیز اسلام کی رُوح سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔

از سید رشید احمد ارشد ایم۔اے
لیکچرار شعبۂ عربی جامعہ کراچی

دہلی کے شاہی ائمہ عیدگاہ

برصغیر ہند و پاکستان کے مسلم سلاطین کا یہ معمول رہا تھا کہ وہ اپنی مملکت کی مساجد کے لیے ائمہ اور خطباء کے تقرر کرنے اور مذہبی تعلیم دلانے کے لیے ایسے مشہور ائمہ اور علماء کا انتخاب کیا کرتے تھے جو سادات بنی ہاشم میں سے اور نجیب الطرفین ہوتے تھے
امامت و خطابت کے علاوہ شہزادوں کی اتالیقی اور مسند افتاء قضاء پر بھی عموماً خاندانی سادات کے علماء سرفراز ہوتے تھے۔
اسی معمول کے مطابق جب شاہ جہاں بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی میں شاہ جہاں آباد کی تعمیر مکمل کی اور یہاں مشہور قلعۂ معلی جو لال قلعہ کے نام سے مشہور ہے تعمیر کرایا تو اس نو تعمیر کردہ شہر کی عیدگاہ اور قلعۂ معلی کی امامت کے لیے ان کی نظر انتخاب نے مدینہ منورہ کے صحیح النسب خاندانی سادات میں سے ایک مشہور اور جید عالم کو ہندوستان بلوایا اور انہیں دہلی یعنی شاہ جہاں آباد کی عیدگاہ کی امامت، شہزادوں کی اتالیقی اور قلعۂ معلی کی امامت کے مقدس فرائض تفویض کیے۔
دہلی کے ان شاہی اماموں کے خاندان کے بارے میں تفصیلی حالات مجھے مطبوعہ تذکروں میں نہیں مل سکے۔ سالہا سال کی تحقیق اور کوششوں کے باوجود ان کے بہت کم حالات ہمیں دستیاب ہوتے ہیں۔ یہ معلومات بھی اس نادر و نایاب مصدقہ محضر نامہ و خلافت نامہ کی بدولت حاصل ہوئی ہیں جسے تقسیم سے پیشتر امام صاحب مرحوم سید طاہر حسن صاحب نے جو اس

شاہی خاندان کے آخری امام تھے۔ شائع کرادیا تھا اور اس کا صرف ایک نسخہ باقی رہ گیا ہے۔[1]

شاہی خاندان کی تصدیق :

مغلیہ خاندان شاہی کے افراد کی شہادت کے مطابق اس خاندان کے مورث اعلیٰ کی تنخواہ پانچ ہزار مقرر کی گئی تھی۔ چنانچہ شاہی خاندان کے مشہور بزرگ فرد جناب شہزادہ امیر الملک عرف مرزا ابلاقی صاحب مذکورہ بالا محضر نامہ کی تصدیق کے لیے اپنے دستخط ثبت کرتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں :

"امام صاحب کے مورثِ اعلیٰ کو ہمارے حضرتِ اعلیٰ شاہ جہاں بادشاہ نے مدینہ منورہ سے طلب فرماکر اور اپنا مقتدا بناکر پانچ ہزار روپیہ مقرر فرمایا۔"[2]

ابتدائی حالات :

اسی محضر نامہ کی تصدیق کا آغاز شاہی خاندان کے باقی ماندہ شہزادوں کے دستخطوں سے ہوا ہے۔ چنانچہ ان تمام شہزادوں کی نمایندگی کرتے ہوئے شہزادہ ثریا جاہ محمد کیوان شاہ گورگانی ۱۳۰۱ھ میں یوں فرماتے ہیں :

حافظ سید محمد صاحب کا بیان سر بسر صحیح اور درست ہے۔ بے شک ان کے جد اعلیٰ حضرت شاہ جہاں بادشاہ کے عہدِ دولت میں بعہدۂ امامت عیدگاہ

---

[1] یہ نسخہ ہمیں امام صاحب مذکورہ کے صاحبزادگان سید سالک حسن و سید عارف حسن کی بدولت حاصل ہوا ہے۔ اس کے ہم ان دونوں حضرات کے ممنون ہیں۔

[2] ملاحظہ ہو محضر نامہ و خلافت نامہ شاہی امام عیدگاہ دہلی مطبوعہ جمال پرنٹنگ ورکس دہلی۔ بتاریخ ۱۵، ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ ص ۳

شہزادہ امیر الملک عرف مرزا ابلاقی صاحب نقشبندی سلسلے کے بہت بڑے صوفی بزرگ اور اردو کے صاحب دیوان خوش گو شاعر بھی تھے ان کا تخلص احقر تھا۔ ان کا عارفانہ کلام صوفیانہ حلقوں میں بہت مقبول تھا وہ حافظ سید محمد صاحب شاہی امام عیدگاہ کے مخلص دوست تھے اور ان کے صاحبزادے الحاج سید طاہر حسن صاحب کے پیر صحبت تھے۔ وہ درگاہ نظام الدین اولیاء کے قریب مدفون ہوئے ہر سال ان کا عرس ہوتا تھا۔

دہلی سرفراز ہوتے۔ یہ لوگ ملکِ عرب سے آئے تھے۔ یہ وہ سندھی سید ہیں کہ شرفائے دہلی انہیں سے مراد ہے۔ حضور بادشاہی سے ان کے جد سید قاسم علی صاحب کو خطیب الملک اور سید باسط علی صاحب کو امام الملک کا خطاب عطا ہوا۔ ان بزرگوں کو علاوہ اس کے یہ شرف بھی حاصل رہا کہ بعض بادشاہ اور شہزادے نسبتِ تلمذ رکھتے تھے۔ ان کی شرافت اور بزرگی کے اظہر من الشمس ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔

افسوس ہے کہ غدر (۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو پہلے اس نام سے پکارا جاتا تھا) کے بعد سے ان کی کوئی آمدنی نہیں رہی اور نہ کوئی جائداد عیدگاہ سے متعلق ہے۔[1]

سیّد باسط علی

حضرت اورنگ زیب، شاہ عالمگیر غازی خلد آشیاں نے جب قلعۂ معلی کے اندر "موتی مسجد" تعمیر کرائی تو اس وقت موتی مسجد اور دیوانِ خاص کی امامت بھی اسی خاندان کے سپرد ہوئی۔

اس زمانہ میں سید باسط علی صاحب کو جو امام عیدگاہ تھے، امام الملک کا خطاب عطا ہوا۔ یہ خطاب ہر طرح موزوں تھا۔ کیونکہ ان کے پیچھے نہ صرف بادشاہِ وقت، شہزادگان، اراکینِ سلطنت وزراء اور امراء نماز ادا کرتے تھے بلکہ صوفیائے کرام، بزرگانِ دین اور وہ علماء و فضلاء بھی نماز ادا کرتے تھے جنھیں مغلیہ سلاطین نے از راہِ قدر دانی اطرافِ عالم سے بلوا کر شاہ جہاں آباد (دہلی) میں آباد کر رکھا تھا۔

شاہانِ مغلیہ کے دلوں میں ان کا اس قدر احترام تھا کہ انھوں نے ان ائمہ عظام کے لیے بادشاہی تعظیم بھی معاف کر رکھی تھی اور وہ بادشاہی رسوم و آداب کے پابند نہ تھے۔ یہ ائمہ کرام مذکورہ بالا فرائض کے علاوہ سیر و سفر میں بھی بادشاہوں کے ہم رکاب ہوتے تھے اور سفر میں بھی بادشاہ، امراء اور شہزادے ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

سیّد قاسم علی

یہ ائمہ عیدگاہ، موروثی امامت پر سرفراز تھے۔ کیونکہ اس خاندان کا ہر فرزند نہایت قابل ہوتا تھا

---

[1] ص ۲، ۳ محضر نامہ مذکورہ بالا

اور امامت کا ہر حال میں مستحق ہوتا تھا۔ لہذا باپ کے بعد ان کے فرزند کو امامت کے عہدے پر بادشاہ مقرر کیا کرتا تھا۔ اسی قاعدے کے مطابق حضرت مولانا سید باسط علی صاحب کے وصال کے بعد ان کے فرزند رشید حافظ سید قاسم علی صاحب مسندِ امامت پر سرفراز ہوئے۔

سید قاسم علی صاحب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے تلمیذِ خاص تھے۔ ان کا تذکرہ حضرت شاہ اسماعیل شہید نے بھی اپنی ایک کتاب میں کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ وہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے تلمیذ تھے۔ وہ نہایت فصیح و بلیغ خطیب تھے اس لیے بادشاہِ وقت کی طرف سے انھیں خطیبُ الملک کا خطاب مرحمت ہوا تھا۔

سیّد محمود

انتہائی تحقیق اور زبردست جد و جہد کے باوجود تاریخی تذکروں میں آپ کے اور آپ کے بزرگوں کے مزید حالات نہیں معلوم ہو سکے۔

آپ کے بعد حافظ سید محمود جو آپ کے فرزند تھے، جانشین ہوئے۔ ان کے حالات بھی نہیں معلوم ہو سکے۔

حافظ سیّد نعمتُ اللہ

حافظ سید محمود کے بعد ان کے فرزند جناب حافظ سید نعمتُ اللہ صاحب عید گاہِ دہلی کے شاہی امام مقرر ہوئے۔ آپ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے زمانہ میں اس منصب پر برقرار تھے۔

مغل سلاطین کے آخری بادشاہ، بہادر شاہ ظفر کے عہد میں آپ دیوانِ خاص کے خطیبُ امام بھی تھے اور قلعۂ معلّٰی میں رمضان المبارک کی تراویح میں آپ ہی ختمِ کلام اللہ کرتے تھے اور کلامِ مجید کے ختم پر انھیں بہادر شاہ ظفر کی طرف سے دو شالہ مرحمت ہوتا تھا۔[1]

---

[1] ملاحظہ ہو دہلی کا آخری سانس از خواجہ حسن نظامی۔ خواجہ صاحب نے اس کتاب میں ۱۸۵۷ء سے پہلے کے ایک اخبار احسن الاخبار دہلی کے اقتباسات شائع کیے تھے۔
اس اخبار کے ایک قدیم شمارے میں حافظ نعمت اللہ صاحب کو یہ انعام دینے کا واقعہ مذکور ہے۔

عید پر انعام

حافظ نعمت اللہ صاحب شاہی امامِ عیدگاہ کو ہر عید کے موقع پر بہادر شاہ ظفر کی طرف سے خلعت شش پارچہ، دو رقم جواہر، قبضۂ شمشیر مع پرتلہ مقررہ شاہی انعام کے طور پر مرحمت ہوتے تھے۔ یہ انعام و اکرام نمازِ عید کے بعد عیدگاہ ہی میں دیا جاتا تھا۔

اس سے پہلے بہادر شاہ ظفر کے بزرگ سلاطین بھی امامِ عیدگاہ کو اسی قسم کا انعام مرحمت فرماتے تھے۔ جیساکہ بالعموم تاریخی کتب اور تذکروں میں مذکور ہے۔

مولانا عبد الربّ کی تصدیق

عام تاریخی کتب اور تذکروں کے علاوہ دہلی کے مشہور واعظ مولانا عبد الرب دہلوی اس انعام و اکرام کی تصدیق اس طرح فرماتے ہیں :۔

" میں خوب جانتا ہوں کہ یہ حضرت امام صاحب (مولانا سیّد محمد شاہی امام عیدگاہ) خلف سیّد حافظ نعمت اللہ صاحب مرحوم امام عیدگاہ دہلی کے درگاہ سلطنت سے معزز و ممتاز بھی ہیں۔ ان (کے بزرگوں) کی ایسی عزت دربارِ شاہی میں تھی کہ تعظیم بھی ان کو معاف تھی اور سرکارِ شاہی سے تین خلعت، عیدین اور جشن میں عطا ہوتے تھے۔ فی الواقع عیدگاہ کے واسطے کوئی جائداد معاف نہیں ہے[1]"

(فقط المرقوم ۱۲ صفر ۱۳۰۱ سنہ ہجری المقدس)

---

[1] ملاحظہ ہو ص ۴۹ محضر نامہ مذکور۔ مولانا عبد الرب دہلوی۔ مولانا سید خیر اللہ محدث دہلوی کے فرزند تھے وہ دہلی کے مشہور واعظ تھے اور جامع مسجد دہلی کے متصل کٹڑہ نظام الملک والی مسجد میں بعد نمازِ جمعہ ۲۹ برس تک وعظ کہتے رہے۔ وہ صاحب تصانیف بھی تھے۔ ان کی ایک کتاب "فردوس آسیہ" بہت مشہور ہے۔ انھوں نے دہلی میں عربی اور اسلامی علوم کا ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا جو انہی کے نام پر ابھی تک مدرسۂ عبد الرب کے نام سے مشہور ہے اور مشہور عالم و محدث مولانا عبد العلی میرٹھی اس مدرسہ کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس رہے تھے۔ مولانا عبد الرب صاحب نے سہارنپور میں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کروائی۔ ان کی وفات ۱۳۰۵ھ میں ہوئی۔ ملاحظہ ہو وصال الجمیل از مولوی امان الرحمٰن دہلوی مطبوعہ ۱۳۲۵ھ۔

خاندان کی تباہی

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے واقعات، حافظ سید نعمت اللہ صاحب کے زمانے میں رونما ہوئے تھے۔ لہذا جس طرح دیگر شرفائے دہلی اور شاہی متوسلین کے گھر تباہ و برباد ہوئے۔ اسی طرح آپ کے خاندان کے قیمتی ذخیرے، کتب خانہ اور شاہی دستاویزیں بھی ضائع ہو گئیں اور اس کے ساتھ ساتھ سابقہ اعزاز و اکرام بھی ختم ہوا۔

انگریزوں کے مظالم

اس زمانہ میں انگریزوں نے شاہی خاندان اور ان کے متوسلین پر بہت ظلم و ستم توڑے اس لیے حافظ نعمت اللہ شاہی امام عیدگاہ کا خاندان بھی ان کے مظالم سے محفوظ نہیں رہا۔ چنانچہ آپ نے بھی دہلی کو خیرباد کہا اور آپ کا خاندان ریاست الور کی طرف ہجرت کر گیا اور وہاں ایک عرصہ تک پناہ گزیں رہا۔

دہلی کی طرف مراجعت

جب دہلی میں امن و امان قائم ہوا تو دیگر شرفائے دہلی کے خاندانوں کی طرح آپ کا خاندان بھی اپنے وطن مالوف کی طرف مراجعت پذیر ہوا۔ مگر اس وقت دہلی کا نقشہ بالکل بدلا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی بادشاہت ختم ہو چکی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ شاہی قدردانی اور اعزاز و اکرام کا دور بھی ختم ہو گیا تھا۔

انگریزوں کی حکومت میں شاہی ائمہ عیدگاہ کا کوئی قدردان نہ تھا۔ اس لیے نہ ان کے لیے کوئی جاگیر مقرر ہوئی اور نہ کوئی ان کا ذریعۂ معاش باقی رہا تھا۔

ایسی کس مپرسی کی حالت میں حافظ نعمت اللہ مرحوم، توکل، قناعت پسندی اور گوشہ نشینی کی زندگی گزارتے رہے۔ انھوں نے انگریزوں کی حکومت کی خوشامد نہیں کی اور نہ ان کے افسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کیا بلکہ اعزازی طور پر عیدگاہ کی امامت اور دیگر تعلیمی اور مذہبی فرائض

انجام دیتے رہے۔

حافظ نعمت اللہ صاحب کی وفات ۱۲۸۷ھ میں ہوئی۔ جناب شہزادہ امیر الملک عرف مرزا بلاقی دہلوی نے ان کا قطعۂ تاریخ وفات اس طرح ارشاد فرمایا ہے:

ابو سیّد محمد جد طاہر — کہ حافظ نعمت اللہ نام حضرت
چو احقر سال تاریخش بگفتہ — امام عید گاہ داخل بہ جنت

۱۲۸۷ھ

حافظ سیّد محمدؒ

حافظ سید نعمت اللہ صاحب کے وصال کے بعد ان کے فرزند محترم حافظ سید محمد صاحب دہلی کے شہزادگان، شرفاء اور عمائد دہلی تصدیق اور تائید کے ساتھ عید گاہ کی مسند امامت پر سرفراز ہوئے۔

بعض بزرگوں کے قول کے مطابق آپ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے سات سال پہلے غالباً ۱۸۵۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آبائی دستور کے مطابق سب سے پہلے آپ نے قرآن مجید حفظ کیا۔ آپ سے پیشتر تمام ائمہ عید گاہ جید حافظ، عالم ہوتے تھے اور حافظ کے لقب سے زیادہ مشہور و معروف ہوتے تھے۔ اسی طرح آپ بھی حافظ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ تاہم آپ نے تمام اسلامی علوم کی تحصیل بھی کی تھی۔

حافظ سید محمد صاحب کی ذات گرامی میں اپنے بزرگوں کی روایتی شرافت اور بزرگی کے تمام اعلیٰ اوصاف موجود تھے۔ چنانچہ آپ کے اعلیٰ اخلاق اور شرافت کی تمام شہر میں شہرت تھی۔ آپ کا زہد و تقویٰ ضرب المثل تھا۔

آپ کا قیام محلہ چوڑی والاں دہلی میں تھا۔ آخر زمانے میں آپ باڑہ ہندو راؤ کی "جنگل والی مسجد" میں قرآن کریم کی تعلیم دینے لگے تھے اور اسی مسجد کے خطیب بھی مقرر ہو گئے تھے۔

یہاں دہلی کے پنجابی سوداگروں کے بچوں نے آپ سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی جو آگے چل کر ملک کے بہت بڑے تاجر اور صنعت کار ہوئے۔

آپ نہایت غیور، خود دار اور قناعت پسند انسان تھے۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار کی طرح

انگریزوں اور ان کی حکومت کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کیا۔ اس لیے آپ کے لیے نہ کوئی وظیفہ مقرر تھا اور نہ عید گاہ کی کوئی وقف جائداد تھی جس کی آمدنی آپ کے لیے ذریعۂ معاش بن سکے۔ لہذا آپ کی ساری عمر عسرت اور تنگ دستی میں بسر ہوئی۔ مگر آپ نے کبھی حصولِ جاہ و منصب اور عزت و ناموری کے لیے کوئی کوشش نہیں کی بلکہ گوشہ نشینی اور گمنامی کی زندگی بسر کرتے رہے۔

شاہِ افغانستان کی قدر دانی

آپ کے عہدِ امامت میں جب افغانستان کے بادشاہ امیر حبیب اللہ خاں دہلی تشریف لائے تھے تو ان کا شاہانہ استقبال کیا گیا تھا۔ امیر مرحوم نے عید الاضحیٰ کے دن دہلی کی شاہی عیدگاہ میں دہلی کے شاہی امام حضرت سید محمد صاحب کے پیچھے نمازِ عید ادا فرمائی تھی۔

امام صاحب موصوف نے بے حد اصرار کیا کہ جس طرح امیر موصوف ہندوستان کے دیگر مقامات پر خود امام بن کر نماز پڑھاتے رہے تھے۔ اسی طرح دہلی کی شاہی عیدگاہ میں بھی امیر موصوف امامت کے فرائض انجام دیں۔

مگر شاہِ افغانستان نے یہ گوارا نہیں کیا کہ شاہانِ ہند کے شاہی ائمہ کے ہاشمی النسل جانشین کے ہوتے ہوئے خود مقتدا بنیں لہذا امام موصوف نے قدیم شاہی امام کی موجودگی میں خود امام بننے سے انکار کر دیا۔

نمازِ عید کے بعد شاہِ افغانستان امیر حبیب اللہ خاں مرحوم نے امام صاحب کو ایک دوشالہ اور ایک زریں چغہ مرحمت فرمایا۔ اس طرح انہوں نے اپنی قدر دانی سے قدیم زمانے کے شاہانِ مغلیہ کی یاد تازہ کر دی اور اس شاہی خاندان پر اپنے کلی اعتماد کا اظہار فرمایا۔

حافظ سید محمد اس شاہی قدر دانی سے اس قدر خوش ہوئے کہ وہ ہر عید کے موقعہ پر اس شاہی چغہ کو زیب تن کر کے نمازِ عید پڑھاتے رہے۔ بلکہ ان کے بعد ان کے فرزند رشید جناب مولانا سید طاہر حسن صاحب بھی یہی شاہی چغہ پہن کر آخر وقت تک نمازِ عید پڑھاتے رہے۔

اس شاہی قدر دانی کی روایت کو آگے چل کے حکومتِ افغانستان نے برقرار رکھا چنانچہ دہلی میں افغانستان کے سفیر کی طرف سے ہر نمازِ عید پر امام عید گاہ کو ایک شال بطریق خلعت پیش کیا جاتا تھا۔

محضر نامہ

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اس شاہی خاندان کی تمام کتب واسناد اور امامت کے تقرر کی شاہی دستاویزیں ضائع ہوگئی تھیں۔ لہٰذا حضرت سید محمد صاحب نے ایک محضر نامہ تیار کیا تاکہ دہلی کے شاہزادگان، امراء اور علماء و مشائخ ان کے "شاہی امام عیدگاہ" ہونے کی تصدیق کریں تاکہ اس طرح حکومت اور عوام کے لیے یہ مصدقہ دستاویز ثابت ہو سکے۔ اور بوقت ضرورت کام آسکے۔ محضر نامہ کے آغاز میں حضرت سید محمد صاحب نے یہ عبارت تحریر فرمائی تھی۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نستعینہٗ۔ حضرات شہزادگان وامرائے ذوالاقتدار وروسائے نامدار، شہر دہلی سے خاکسار ذرہ بے مقدار سید محمد ابن حافظ سید نعمت علی صاحب عرف سید نعمت اللہ صاحب مرحوم امام عیدگاہ دہلی، ملتمس ہے کہ عہدِ دولت حضرت شاہ جہاں بادشاہ انار اللہ برہانہٗ میں میرے بزرگ عہدۂ امامت عیدگاہ پر مامور ہوتے اور اسی وقت سے تا زمانہ بہادر شاہ بادشاہ مغفور، اپنے عہدہ کا کام باعزاز تمام انجام دیتے رہے۔

زمانہ غدر (جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء) سے آج تک جس کیفیت سے شرفائے دہلی کی گزر ہوتی ہے بسر اوقات کرکے اپنے بزرگوں کا نام اور کام قائم رکھا۔ مگر اب اس سبب سے کہ دولت تیموریہ کے مٹ جانے اور کسی قسم کی آمدنی متعلق عیدگاہ نہ ہونے نے دامنِ ضبط و تمکین ہاتھ سے چھڑا دیا اور یہ خیال پیدا کر دیا کہ اگرچہ کل اہل دہلی روسائے عالی ہمم ہندوستان بھی، اس حقیر سے واقف ہوں تو عجب نہیں کہ کوئی صورت بہبودی کی نکل آئے۔ (اس وجہ سے) اپنا اظہار مدعا اور استشہاد ضروری ہوا۔

پس امید ہے کہ جو صاحب احقر کے بیان متذکرہ بالا سے واقف ہوں وہ اپنے دستخط اور مہر سے اس کاغذ کو مزین و مشرف فرما کر عند اللہ ماجور اور

عندالناس مشکور ہوں لہ

شہزادگان اور امراء کی تصدیق

اس بیان کی تصدیق میں ۱۳۰۱ھ میں مغلیہ خاندان نے تصدیق کے طور پر وہ عبارت لکھی جو ہم ابتداء میں نقل کر چکے ہیں اور اس پر سب سے پہلے شہزادہ ثریا جاہ محمد کیوان شاہ گورگانی کے دستخط ثبت ہیں۔ اس کے بعد اکیس [۲۱] شہزادگان کے دستخط اور مہریں اس محضرنامہ پر ثبت ہیں۔ آخر میں شہزادہ محمد امیر الملک عرف مرزا بلاقی کی وہ تحریر ہے جس کا ہم پہلے حوالہ دے چکے ہیں۔

امرائے دہلی میں سے حاذق الاطباء حکیم محمود خاں صاحب (جو حکیم احمد خاں کے والد بزرگوار تھے) ریاست لوہارو کے نامور امراء، دہلی کے قاضی، علماء و مشائخ نے (جن میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان کے ارکان بھی شامل ہیں) اپنے دستخط ثبت کیے۔

ان میں سے ہم مولانا عبدالرب واعظ دہلوی کا بیان تحریر کر چکے ہیں۔

نواب محمد سعید خاں نبیرہ نواب نبی بخش خاں بہادر مشرف الدولہ اپنے بیان میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"شہر دہلی میں بزرگی ان صاحب کے خاندان پر ختم ہے اور فرمان خاندان شاہی و مضمون محضر درست ہے۔"

اس محضرنامہ کی تصدیق کرتے ہوئے جناب مولانا عرفان الحق حنفی نبیرہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی و مالک و مہتمم مطبع احباب دہلی یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بیان سید صاحب کا اور جملہ تحریر درست ہے۔ پدرم مرحوم، احقر اور جد امجد مولوی متین الحق صاحب مرحوم کے وقت سے (یہ) واقفیت اور آگاہی چلی آتی ہے خود احقر اور پدرم کی سید صاحب کے والد بزرگوار سے ملاقات بخوبی ہے اور نماز عیدین ان کے والد صاحب کے پیچھے پڑھتے چلے آئے ہیں اور اب خود سید صاحب نماز عیدین پڑھاتے ہیں اور سادات عظام سے ہیں۔"

لہ ص ۲ محضرنامہ مذکور۔ ٢ہ ص ۱ محضرنامہ مذکور۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے خاندان کے افراد جناب سید معزالدین اور جناب سید محمد عبدالرحیم یوں تحریر فرماتے ہیں :۔

"مضمون ہذا صحیح و درست ہے و فرمان خاندان شاہی بھی درست ہے"[1]

دہلی کے مشہور مؤرخ و عالم جناب ذکاء اللہ دہلوی پروفیسر میور کالج نے بھی محضر نامہ کے مضمون کی تصدیق فرمائی اور اپنے دستخط ثبت کیے[2]

اولاد و اقارب

حضرت مولانا سید محمد صاحب کے ایک حقیقی بھائی بھی تھے جن کا اسم گرامی سید حسن تھا سید حسن نہایت خوش گو شاعر بھی تھے اور کیف تخلص کرتے تھے ۔ وہ محکمۂ بندوبست کے ملازم ہو کر بدایوں چلے گئے تھے اور حضرت مولانا شاہ دلدار علی مذاق کے شاعری میں شاگرد ہو گئے تھے۔ وہ بدایوں کے مشاعروں میں شریک ہو کر غزلیں پڑھا کرتے تھے[3]

آپ کے ایک عزیز اور رشتہ دار سید محمد شاہ عرف شاہ جی بھی تھے ۔جن کے صاحبزادے سید رؤف علی بیرسٹر تھے جو مسٹر آصف علی صاحب کے رفقاء میں سے تھے اور نہایت قابل ہونہار اور شریف انسان تھے ۔افسوس کہ وہ جوانی ہی میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حضرت سید محمد صاحب کے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں ۔بڑے صاحبزادے حضرت حافظ سجاد حسن نوجوانی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔اس لیے دوسرے صاحبزادے سید طاہر حسن صاحب کو آپ نے اپنی زندگی ہی میں یکم شوال ۱۳۳۱ھ بروز چہارشنبہ مطابق ۳ ستمبر ۱۹۱۳ء کو دہلی کی عیدگاہ میں مجمع عام، مشہور علماء کرام و مشائخ عظام کی موجودگی میں اٹھارہ سال کی عمر میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

اس تقریب میں حضرت سید محمد صاحب نے اور حاجی عبدالغنی صاحب متولی عیدگاہ نے دستارِ امامت ان کے زیبِ سر کر کے انہیں شاہی عیدگاہ کی محراب میں کھڑا کر دیا چنانچہ اس وقت مولانا سید طاہر حسن صاحب ہی نے عیدالفطر کی نماز پڑھائی۔

---

[1] ص ۷ محضر نامہ [2] ص ۵ محضر نامہ مذکور [3] تذکرۂ ذوق و مذاق مطبوعہ ۱۲۹۸ھ۔

وفات

آخر زمانے میں آپ باڑہ ہندو راؤ متصل پل بنگش کی جنگل والی مسجد کے خطیب تھے اور وہاں قرآن کریم کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ بہت سے افراد آپ کی تعلیم سے مستفید ہوتے رہتے، تاہم سب سے زیادہ آپ کے اعلیٰ اخلاق اور بے مثال سیرت نے عوام کو بہت متاثر کیا۔

آپ کی وفات اچانک فالج سے ہوئی۔ آپ سات دن فالج میں مبتلا رہ کر ۱۹۱۹ء مطابق ۱۳۳۷ھ بتاریخ ۱۹ ربیع الاول اس عالم فانی سے کوچ کر گئے۔

آپ کی نماز جنازہ میں ہزاروں افراد کا مجمع شریک تھا۔ اس سے پیشتر اس قدر کثیر تعداد کسی عظیم شخصیت کے جنازے میں شریک نہیں ہوئی تھی۔

آپ کو درگاہ سیّد حسن رسول نما ــــــــ نئی دہلی میں شریف خانی اطبائے دہلی کے مزارات کے قریب دفن کیا گیا۔ جہاں مسیح الملک حکیم اجمل خاں، ان کے والد حاذق الاطباء حکیم محمود خاں اور دیگر ارکان خاندان مدفون ہیں۔

آپ کے مزار مبارک پر میاں نوشہ صاحب کا مندرجہ ذیل قطعۂ وفات نہایت خوشخط اور خوشنما کتبہ کے طور پر کندہ تھا:

حق ز کلکِ قضا بخطِ غبار — زد رقم بر مزار و منزلِ من
دہ کہ ہر گہ کہ سبزہ در بستان — بدمیدے چہ خوش شد دلِ من
بگذر اے دوست تا بوقتِ بہار — سبزہ بینی دمیدہ بر گلِ من!
حضرت سیّد محمد را — داد جنت خدائے عادلِ من

نوشتہ میر گفت از خ او
شد سوئے عرش، بدر کاملِ من

۱ ۳ ۳ ۷ ھ

حضرت امیر الملک عرف مرزا باقی تیموری احقر دہلوی نے جو آپ کے مخصوص رفقا میں سے تھے۔ آپ کی وفات پر مندرجہ ذیل قطعۂ وفات تحریر فرمایا ہے۔

لے یہ قطعہ شیخ سعدیؒ کی گلستان کے باب ہفتم ص۱۹۶ مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور ۱۳۲۶ھ پر ہے اور حسب حال تضمین کے طور پر اس کتبہ میں شامل کیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ کے مزار مبارک پر ہر وقت سبزہ لہلہاتا تھا۔

امام عید گاہ سیّد محمد — مقدس بُد باوصاف الٰہ داد
بفضل خود خداوند دو عالم — نسب سید بآل مصطفےٰ داد
بحسن صورت و باحسن باطن — حسینے بود باحسن خدا داد
بمقبولیٔ عالم رب العزت — بآن مقبول وصف بے بہا داد
پے سال وصال آن باحقر
امام و مقتدا، قدرت خدا داد

۱ ۳ ۴ ۷ ھ

مولانا محمد یونس صاحب منتظم دارالعلوم معینیہ و خطیب و امام مسجد شاہ جہاں اجمیر شریف نے یہ قطعۂ وفات تحریر فرمایا:-

رفیع مرکز، رفعت پناہی — فقیہے واقف از امر و نواہی
جناب حافظ سیّد محمد — امام عید گاہ از عہد شاہی
بکار شرع و عرفان و طریقت — حقیقت ایں کہ بودش دستگاہی
بسیرت مظہر خلق محمّد — بصورت، منظر حسن الٰہی!
چوں آں پاکیزہ طینت پاک جوہر — سوئے فردوس اعلیٰ گشت راہی
بخیر مقدم رحلتش بگشتند — ملائک جمع از ماہ تا بماہی
و رضواں گفت دامن برسرم نہ
کہ داری ظل الطاف الٰہی

۱ ۳ ۴ ۷ ھ

حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ صاحب امام مسجد فتح پوری نے یہ قطعۂ تاریخ وفات ارشاد فرمایا ہے:-

دریغا! کہ سید محمد امام — ازیں دار فانی گذشتہ بخفت
چو پرسم ز مظہر کہ تاریخ چیست — لقد فاز فوزاً عظیماً بگفت

۱ ۳ ۴ ۷ ھ

جناب واعظ صاحب نے آپ کی تاریخ وفات میں شعر کہا ہے۔

تجھے واعظ اگر ہے فکرِ تاریخ　　　که اہل دیں گئے باغ جناں میں

۱۳۳۱ھ

الحاج سیّد طاہر حسن

الحاج مولانا سید طاہر حسن صاحب، مولانا سید محمد صاحب کے فرزند رشید تھے اور جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ انھیں حضرت سید محمد صاحب نے اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین بنا دیا تھا۔

حضرت مولانا سید طاہر حسن نے اپنے والد محترم سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم معینیہ اجمیر شریف میں درس نظامی کی تعلیم حاصل کی۔ اسی دارالعلوم میں فقہ حنفی کی ابتدائی کتاب منیتہ المصلیٰ سے لے کر شرح وقایہ تک دیگر علوم کے ساتھ دینی تعلیم حاصل کی۔ یہاں آپ کے مخصوص اساتذہ میں مولانا نور الدین اجمیری، حضرت مولانا معین الدین اجمیری اور مولانا محمد یونس صاحب خطیب مسجد شاہ جہانی اجمیر شریف شامل ہیں۔ جن سے آخر عمر تک آپ کے تعلقات نہایت مخلصانہ رہے۔ چنانچہ جب کبھی یہ حضرات دہلی تشریف لاتے تھے تو امام صاحب سیّد طاہر حسن صاحب کے دولت کدہ واقع درگاہ سید حسن رسول نما نئی دہلی ہی میں قیام فرماتے تھے۔ حضرت مولانا سید طاہر حسن صاحب مزید تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند بھی تشریف لے گئے تھے۔

امامت

۱۸
اٹھارہ سال کی عمر میں آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا سیّد محمد دہلوی صاحب، یکم شوال ۱۳۳۱ھ بروز چہارشنبہ مطابق ۱۹۱۳ء میں تمام علماء و مشائخ اور مجمع عام کے روبرو آپ کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا اور دستارِ امامت آپ کے زیب سر کرکے محراب میں کھڑا کر دیا۔ چنانچہ اسی دن سے آپ عیدین کی نماز پڑھانے لگے۔

اس موقع پر آپ کے والد بزرگوار نے محضر نامہ کی صورت میں ایک خلافت نامہ تحریر فرمایا جس کی تصدیق دہلی کے مشاہیر اور معززین سے کروائی۔

خلافت نامہ

آپ نے جو خلافت نامہ تحریر فرمایا تھا، اس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

" خاکسار ذرۂ بے مقدار، بندہ عاجز سید محمد بن حافظ سید نعمت علی مرحوم ومغفور امام حضور انور و عیدگاہ دہلی، عرض کرتا ہے کہ حضرت سلطان شہاب الدین شاہ جہاں جنت مکان نے اس خاکسار کے جدامجد کو منصب امامت پر معین ومامور فرمایا تھا۔ امامت کے دو جزو تھے۔ اول خاص شاہی امامت جس کو "امامت حضور انور" سے تعبیر کیا جاتا تھا اور اس میں حضور انور کی مصاحبت سفر و حضر میں ضروری تھی۔ دوم امامت عیدگاہ۔

یہ دونوں امامتیں حضرت شاہ جہاں خلد مکاں کے عہدِ سلطنت سے لے کر حضرت سلطان ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ نور اللہ مرقدہم کے زمانے تک خاکسار کے خاندان میں قائم رہیں۔ امامت کے علاوہ شاہزادگان والاجاہ کی تعلیم و تربیت بھی ہمارے بزرگوں کے سپرد تھی۔

۱۸۵۷ء کے واقعہ نے شاہی مناصب کا تو خاتمہ کر دیا لیکن عیدگاہ کی امامت ابھی تک بدستور قائم ہے۔

چونکہ یہ منصب امامت شاہانِ ہندوستان کا ایک خاص عطیہ اور شاہانِ مغلیہ کی ایک یادگار ہمارے خاندان کے لیے باقی ہے۔ اس لیے خاکسار اس کو اپنے لیے فخر سمجھتا ہے اور اپنے آبا و کرام کے نقش قدم پر اس خدمت کو برابر بالاستقلال انجام دے رہا ہے۔

داب) چونکہ یہ خاکسار ضعیف ہو گیا ہے نیز سفر حرمین کا ارادہ رکھتا ہے اس لیے میں نے یکم شوال ۱۳۳۱ھ روز چہارشنبہ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۱۹ء کو دہلی کی عیدگاہ میں مجمع عام بحضور علماء کرام ومشائخ عظام وجمہور اہل اسلام اپنے نور بصر مولوی قاری سید طاہر حسن زید علمہٗ و عمرہٗ کو اٹھارہ سال کی عمر میں جب کہ

وہ صورت و سیرت و اخلاق و عادات کے لحاظ سے عرفاً و شرعاً مستحق امامت عیدگاہ دہلی تھا، اپنا منصبِ امامت ہمیشہ کے لیے تفویض کر دیا اور دستارِ امامت اپنی اور حاجی عبدالغنی صاحب متولی عیدگاہ دہلی کی طرف سے اس کے زیب سر کر کے محراب میں کھڑا کر دیا اور اس نے نمازِ عید الفطر پڑھائی۔

لہٰذا خاکسار نے یہ چند کلمات بطریق خلافت نامہ کے برخوردار موصوف کے لیے لکھ دیے ہیں اور دہلی کے علمائے کرام و دیگر معززین اہلِ اسلام سے امید ہے کہ اپنی مواہیر و دستخط سے مزین فرمائیں گے تاکہ برخوردار موصوف کی امامت کی تصدیق کے کام آئے۔ و اخر دعونا ان الحمد للہ رب العٰلمین و الصلوٰۃ و السلام علی رسولہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

(دستخط و مہر) سید محمد امام عیدگاہ دہلی[1]

مولانا عبدالعلی کا ہدیۂ تبریک

اس خلافت نامہ کی تصدیق کرتے ہوئے سب سے پہلے دہلی کے علمائے کرام میں سے استاذ الاساتذہ مولانا عبدالعلی محدث میرٹھی[2] صدر مدرس مدرسۂ مولوی عبدالرب صاحب نے، مولٰنا سید طاہر حسن صاحب کو منصبِ امامت پر مبارکباد پیش کی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"بندہ سید طاہر حسن صاحب کو منصبِ امامت کی مبارکباد دیتا ہے۔"

---

[1] محضر نامہ مذکور ص ۱۶، ۱۷

[2] مولانا عبدالعلی محدث میرٹھی کے والد شیخ نصیب علی صاحب، مولانا محمد قاسم نانوتوی کے مخصوص احباب میں سے تھے۔ مولانا عبدالعلی صاحب بھی مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا احمد علی سہارنپوری کے تلمیذ تھے وہ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز مدرس تھے اور اس زمانہ میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ سید انور شاہ کشمیری، مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت الاستاذ مفتی کفایت اللہ نے ان سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد وہ مدرسۂ مولوی عبدالرب دہلی کے صدر مدرس ہو گئے تھے۔ آخر عمر میں وہ پڑھانے سے بالکل معذور ہو گئے تھے تاہم وہ دن رات مدرسہ کے ایک حجرہ میں مقیم رہتے۔ خاکسار کو ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ان کی وفات دہلی میں ۱۳۴۰ھ کے بعد ہوئی۔

دیگر علماء کی تصدیق

ان کے بعد علماء کرام میں سے تصدیق کرنے والوں میں سے بعض مشہور حضرات مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت الاستاذ مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا محمد امین الدین مہتمم مدرسہ امینیہ، سید احمد شاہی امام جامع مسجد دہلی، مولانا محمد ابراہیم اور مولانا محمد اسحاق صاحبان (جو دہلی کے مشہور عالم اور واعظ تھے) مفتی محمد مظہر اللہ امام مسجد فتحپوری اور ان کے عم محترم مولوی عبدالرشید، سید محمد عبدالسلام و سید محمد ابوالحسن صاحبان نبیرگان شمس العلماء مولانا نذیر حسین صاحب محدث دہلوی، مولوی محمد انورالدین صاحب خلف ارشد شمس العلماء مولانا محمد ضیاء الدین ایل ایل۔ڈی[1]۔ مولانا محمد یعقوب واعظ دہلی[2]

استاذ محترم کی رائے

مولانا سید طاہر حسن صاحب کے استاذ محترم مولانا نورالدین اجمیری نے اس خلافت نامہ کی تصدیق فرماتے ہوئے یہ تحریر کیا:

"احقر، عزیزم مولوی سید طاہر حسن سلمہ ربہ خلف ارشد مولانا مولوی سید محمد صاحب شاہی امام عیدگاہ دہلی سے بخوبی واقف ہے۔

عزیز موصوف نے چند سال اجمیر شریف میں مقیم رہ کر کتب درسیہ

---

[1] شمس العلماء ڈپٹی ضیاء الدین صاحب دلی کالج کے عربی پروفیسر تھے۔ اپنی غیر معمولی قابلیت کی بدولت صرف مشرقی علوم کے عالم ہونے کے باوجود قدیم زمانے میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدے پر ممتاز ہو گئے تھے اور انہیں اعزازی طور پر ایل ایل ڈی کی ڈگری بھی ملی تھی۔ اس قدر اعلیٰ عہدوں پر مامور ہونے کے باوجود وہ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ ان کی وفات ۱۳۲۶ھ میں اس وقت ہوئی جب وہ حج کے زمانے میں مدینہ منورہ کی زیارت کے لیے جا رہے تھے۔ (وصال الجمیل از مولانا امین الرحمٰن دہلوی۔)

[2] آپ مفتی اور محدث بھی تھے۔ ۱۳۲۷ھ میں دہلی میں فوت ہوئے۔

دینیہ کا ایک معتدبہ حصہ مجھ سے پڑھا ہے۔ چنانچہ فقہ میں منیۃ المصلی اسے شرح وقایہ تک درس نظامی پڑھا اور ان کو اس علم شریف سے دلچسپی بھی ہے۔

عزیز موصوف منصب امامت کے صحیح اہل ہیں۔ کیا باعتبار علم مسائل صلوٰۃ و طہارت اور کیا بلحاظ تجوید و قرأت، کیا بحیثیت وجاہت و صورت اور کیا باعتبار حسنِ سیرت، کیا بلحاظ صلاح و تقوے اور کیا باعتبار خوش لحنی و لہجہ۔ بہرصورت اس عہدۂ جلیلہ کے موزوں اور اس منصب عالی کے حقدار ہیں۔ فبارک اللہ فیہ۔

منصب امامت سے ان کو انقیاد اور امامت کو ان پر ناز ہے۔ ان کا مسلک صلح کل مثل اپنے والد ماجد، مرنج و مرنجاں ہے۔ جو امام جماعت کثیرہ کے شایان شان ہے۔ مجھ کو افسوس صرف اس کا ہے کہ عیدگاہ شاہی منصب امامت شاہی، امام موصوف بصفات ائمہ شاہی لیکن شاہی سرپرستی مفقود۔

خدائے تعالیٰ کسی والیٔ ملک کی سرپرستی کے ساتھ اس کمی کو بھی پورا فرمائے آمین، تاکہ امام موصوف اپنے احترام و عظمت اور مقتدیوں کی نظر میں قدیمی وقعت قائم رکھ سکیں۔ آمین ثم آمین۔ بحرمۃ سید المرسلین علیہ و علیٰ آلہ وصحبہ صلوات رب العالمین۔

مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کی رائے

سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب واعظ دہلی و ناظم جمعیۃ العلماء ہند نے اس خلافت نامہ پر مندرجہ ذیل طریقے سے اظہار رائے فرمایا ہے:-

"مستحق خلافت کو خلافت مبارک ہو اور یہ امامت و خلافت مسلمانوں کے حق میں مفید ہو۔ خدا تعالیٰ اس جوان صالح اعنی میاں سید طاہر حسن کی برکت سے مسلمانوں کو پھر اسلامی بہار دکھائے۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔

[illegible] احمد سعید واعظ دہلوی [illegible] ۱۳۴۴ھ [illegible]

شہزادہ امیر الملک کی تصدیق

شہزادہ امیر الملک عرف مرزا ابلاقی صاحب نے شاہی خاندان کی نمائندگی کرتے ہوئے ان خیالات کا اظہار فرمایا ہے:

"احقر اس حالت پر بصد افسوس تصدیق محض کرتا ہے کہ ہم لوگ تو کسی خدمت کے قابل نہ رہے تو کوئی اور بھی صاحبِ ثروت و صاحبِ ریاست بھی خدمت گذار نہ ہوا۔

جو شخص ایسا ممتاز اور قابلِ امامت مانا جانے پر بھی ہم بدقسمتوں کے ساتھ محض متوکلانہ زندگی بسر کرتا ہو تو اس شخص کی منجملہ اور خوبیوں کے جو میرے احاطۂ تقریر اور قالبِ تحریر سے باہر ہیں، یہ خوبی بھی ہر شخص پر ظاہر ہے۔

برخوردار سعادت آثار سیّد طاہر حسن کی یہی تعریف کافی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے والد بزرگوار کے قدم بقدم ہے۔ اللہ بس باقی ہوس!

احقر العباد محمد امیر الملک عرف مرزا ابلاقی غفرلہٗ"

خواجہ حسن نظامی کی رائے

اس خلافت نامہ پر خواجہ حسن نظامی صاحب نے مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار فرمایا ہے:

"الولد سر لابیہ حضرت امام صاحب عیدگاہ و شاہ فنا در بقا نے اپنے فرزند ارجمند کو نیابت و امامت کا حق عطا فرمایا۔ الحق وہ صاحبزادہ اس نعمت عظمیٰ کے سراسر لائق اور اہل ہیں۔ اور سراسر باعتبار جسم نہیں بلحاظ اعمالِ حسنہ و احوال صالحہ بھی خلف سعید ہیں، سید عالی مقام کی امامت اولیٰ ہے اور پھر جب اطوار و افعال بھی اصلی سادات عظام کے ہوں تو نور علیٰ نور ہے۔

موجودہ امام صاحب جو اپنے نورِ چشم کو حق خلافت اور منصب امامت عطا فرماتے ہیں درحقیقت انہی اوصاف عالیہ کے امام ہیں جن کا ذکر جمعہ کے خطبہ

یں ہم لوگ پڑھا کرتے اور سنتے رہتے ہیں۔

محراب و منبر پر جلوہ فرمانے والوں پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں حضرت امام صاحب ممدوح اور ان کے فرزندان سب سے بری ہیں اور ہم گناہ گار لوگ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اس زمانہ میں ہم کو ایسے کامل امام صاحب حال امام عطا فرمائے۔ خدا نامزد خلیفہ کو تا آخر عمر ایسا ہی نیک و سعید رکھے۔ آمین

۱۱ صفر ۱۳۳۶ھ بقلم حسن نظامی

مہر مکتبہ نظام المشائخ دھلی۔

خواجہ حسن نظامی صاحب کے علاوہ مندرجہ ذیل صوفیائے عظام، علماء کرام اور سجادہ نشینوں نے بھی اس خلافت نامہ کی تصدیق کی ہے:

۱۔ مولانا شاہ کرامت اللہ صاحب خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی۔
۲۔ پیر جی شاہ محمد عبدالصمد صاحب سجادہ نشین مولانا فخر رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ جناب سید احمد حسن صاحب نبیرہ و سجادہ نشین درگاہ سید حسن رسول نما دہلی۔
۴۔ محمد مصباح الدین صاحب نبیرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔
۵۔ مفتی محمد رکن الدین نقشبندی (نوری) مؤلف کتاب "رکن دین"
۶۔ مولوی سید احمد دہلوی مؤلف "فرہنگ آصفیہ"
۷۔ نواب سراج الدین سائل دہلوی جانشین مرزا داغ دہلوی۔

حکیم اجمل خانصاحب کی تصدیق

مسیح الملک حکیم اجمل خانصاحب تحریر فرماتے ہیں:

"جناب سید محمد صاحب امام عید گاہ نے اپنے صاحبزادہ سید طاہر حسن صاحب کو اپنی جگہ عہدۂ امامت عید گاہ پر علی الروس الاشہاد مقرر کیا۔ یہ ایک واقعہ ہے لیکن سید طاہر حسن صاحب واقعی طور پر کیا بلحاظ رشد و صلاح اور کیا بلحاظ اپنے والد ماجد کے خلف صالح ہو سکے، اس منصب کے مستحق ہیں جس کی میں بھی تصدیق

کرتا ہوں"۔ "اجمل"

غیرت اور خودداری

خلافت نامہ میں مشاہیر دہلی کے اقتباسات سے حضرت مولانا سید طاہر حسن صاحب کی شرافت، صلاحیت، تقوے و پرہیزگاری اور قناعت پسندی کا واضح ثبوت ملتا ہے مگر دہلی کی اہم شخصیتوں کی تصدیق کے باوجود آپ کو سرکاری اور غیر سرکاری قدردانی حاصل نہیں ہوسکی تاہم آپ نے امامت کو ذریعۂ معاش نہیں بنایا بلکہ طبابت اور تجارت کے ذریعہ اپنی گزر اوقات فرماتے تھے۔ آپ نہایت خاموش، گوشہ نشین، غیور اور خوددار انسان تھے۔ حکام بالا اور رؤسا کی خوشامد اور چاپلوسی نہ آپ کو پسند تھی اور نہ آپ کے بزرگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا اور نہ آپ جاہ طلبی کے لیے حکام اور رؤسا کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے۔

خوش نویسی

امام صاحب سید طاہر حسن صاحب قاری اور عالم ہونے کے علاوہ بہت اچھے خوشنویس بھی تھے۔ خطاطی اور خوش نویسی کا فن آپ کا خاندانی تھا کیونکہ آپ کے آباء اجداد بھی اپنے زمانے کے نہایت عمدہ خوش نویس تھے۔ ان کی خطاطی کے عمدہ نمونے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ضائع ہوگئے تھے تاہم کچھ نمونے آپ کے پاس موجود تھے وہ بھی امتداد زمانہ سے ضائع ہوگئے تاہم آپ نے خطاطی سے شوق کے جذبہ کے ماتحت مشہور خطاطوں کی نادر وصلیاں اور عمدہ نمونے جمع کر لیے تھے جن میں سے دہلی کے مشہور خطاط میر پنجہ کش کی وصلیاں اور نمونے میں نے خود دیکھے تھے۔ مگر یہ مختصر نادر مجموعہ بھی ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں تباہ و برباد ہوگیا۔

دیگر حالات

فن قراءۃ و تجوید میں بھی آپ کو مہارت حاصل تھی۔ آپ کی فنی صلاحیت اور خوش الحانی ضرب المثل تھی۔ اسی صلاحیت کی بنا پر آپ کو دہلی کی جمعیۃ القراء کا نائب صدر منتخب کیا گیا تھا۔